جس وقت میں باغ سے باہر نکلا تو ہلکی ہلکی بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ پرانے بھٹے تک پہنچتے پہنچتے بارش کا یہ عالم تھا کہ مجھے لگا۔ پانی کا ریلا مجھے زمین مین میتھا چاہتا ہے۔ اس روز میں نے مائی توبہ توبہ کی جھگی میں پناہ لی۔

جس وقت جھگی میں داخل ہوا۔ مائی توبہ توبہ نے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ میں پھوس کی دیوار کے ساتھ کھڑا ہو کر سہم گیا۔ مائی اس وقت ایک آٹے کا پتلا بنا رہی تھی۔ اس نے بڑی توجہ سے ایک گھٹیا آٹے کا اندھا بونا بنایا۔ پھر چولہے میں من کی چھٹیوں کی آگ جلائی۔ اب وہ اس آٹے کے پتلے میں سویاں کھبونے لگی۔ ہر سوئی پتلے میں فٹ کرنے کے بد وہ آنکھیں پھراتی اور دیر تک چھو چھو کرتی جس وقت اس نے اس آٹیکے پتلے کو آگ میں ڈالا۔ بجلی اس زور سے کڑکی کہ بھٹے سے لے کر امرود کے باغ تک ساری دھرتی سفید ہو گئی۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول کر بھاگنا چاہا۔ لیکن اس وقت کسی نے پیچھے سے میرا کرتا پکڑ کر کہا...... " دیکھ اگر کسی سے بات کی تو سویاں چبھو کر تجھے بھی آگ میں جھونک دوں گی...... کسی کو بتایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

اس وقت میرے سامنے میری ہم جماعت نہیں تھی جس سے میں سوشیالوجی کی بحثیں کیا کرتا تھا۔ بلکہ وہ مائی توبہ توبہ کی پتلی تھی۔ جس میں پتہ نہیں کتنی ان گنت سویاں چبھی ہوئی تھیں اور وہ بھٹی میں اترنے کا انتظار کر رہی تھی۔

" کیا سوچ رہے ہو قیوم؟"

آفتاب کیسا آدمی ہے؟"

" مجھے کیا پتہ؟"

" وہ تمہارا روم میٹ تھا"

مین نے نثری انداز میں بولنا شروع کر دیا " وہ اکتوبر کے مہینے کی پیداوار ہے اس ناطے سے وہ Libra ہے ایسے لوگوں میں ایک قدرتی ہوتا ہے۔"

''اور.....اور.....''

''تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوا ہے۔''

'' یہ تم مجھے کیا بتا رہے ہو..... یہ تو مجھے بھی پتہ ہے۔''

''جو کچھ تم جانتی ہو میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔''

'' اس نے کیسے وہ سب کچھ بھلا دیا میری محبت..... ہمارا.....میل جول وہ سب کچھ''

''یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ اس نے سب کچھ بھلا دیا ہے۔''

'' پھر یہ سب۔ کیا ہے؟ ..... یہ شادی..... یہ زیبا..... یہ ماں باپ کی فرمانبرداری..... یہ سب کچھ!''

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

میں اسے آفتاب کی ایسی کوئی بات بتانا نہ چاہتا تھا جو اس کی محبت کو اور پختہ کرتی اور پھر بھی میں اسے تسلی دینے پر مجبور تھا۔

'' وہ کون ہے؟ .....کیا ہے؟.....کیسا آدمی ہے؟ .....خدا کے لیے تم تو اتنے اچھے تجزیے کیا کرتے تھے.....بتاؤ ناں.....اس کی اصلیت کیا ہے؟''

میں نے سر کھجلایا اور دانشور بن کر بولا..... '' دنیا میں رنگ رنگ کے لوگ ہیں ان کی سٹڈی کے الگ الگ علوم ہیں.....تمہارا کیا خیال ہے کہ.....کہ آفتاب۔''

''تبت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر انسان کے گرد رنگ کا ایک ہالا ہوتا ہے اور یہ ہالا اس کی اصلی سائیکی کا indez ہوتا ہے۔ کچھ لال ہین کچھ پیلے کچھ سبز.....

جن کے گرد نیلا ہالا ہوتا ہے وہ لوگ ہمدردی کرنے والے ہوتے ہیں۔سرخ رنگ والے شدید ہوتے ہیں.....سوسائٹی سے یوں بھڑ جاتے ہیں جیسے ماتا دور کا سرخ مینٹل سانڈ کے سینگوں سے الجھتا ہے۔ جذبے کے غلام جنس کے غلام یہ لوگ توڑ پھوڑ کرتے ہیں۔۔تمہارے آفتاب کا ہالا بادل کے رنگ کا ہے.....اس پر سورج

کی شعاعیں پڑیں۔

تو اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ زمین کا عکس پڑے تو مٹی رنگا ہو جاتا ہے۔ تمہارے آفتاب کے کئی جلوے ہیں کئی رنگ ہیں۔''

''ہاں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔اب اس بادل پر زیبا کا رنگ چڑھنے لگے گا۔''

میں اسے جان سے نہ مارنا چاہتا تھا۔

''وہ بہت خوبصورت ہے۔۔۔۔۔'' سیمی نے میری طرف اس امید سے دیکھا کہ میں اس جملے کی تردید کر دوں۔

''ہاں خوبصورت ہے لیکن بے رنگ ہے۔''

''اس کی بیوی ہے۔۔۔۔۔وہ اس کی محبت کی زیادہ مستحق ہے۔۔۔۔۔ہے نا۔ ہے نا بولو؟

''

خدا جانے محبت کا دراصل مستحق کون ہوتا ہے؟ میں نے دیکھا ہے کہ بگڑے دل رئیس جنہیں بہت محبت ملتی ہے عموماً اسی محبت کی مٹھاس کا مزہ زائل کرنے کے لیے اپنی پشتوں کی

عزت اتروانے طوائفوں کے پاس جاتے ہیں۔۔۔۔۔شہر کے مشہور دانشور ایسی عورتوں کے پیروں پر نماز پڑھتے ہیں۔ جو انہیں کتے کے باسن میں کھلاتی ہیں۔ انسان کا دل ہمیشہ محبت کا متلاشی نہیں ہوتا۔ جب محبت کی گیس سے اس کا غبارہ پھٹنے لگتا ہے تو اس کی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی سوئی ہلکا سا چھید کر کے اس کی انا کو کم کر دے جو لوگ ہماری عزت اتارتے ہیں اور پرے دفع دور رکھتے ہیں وہ ہماری انا کو کترنے والی قینچی ہوتے ہیں۔ انا کا سائز بہت بڑا ہو جاتا ہے تو ایسی قینچی کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان ہمیشہ محبت کی فضا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ فرعون بنے رہنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ وہ خدا سے لے کر معمولی بدتک ہر سٹیج پر اترتا چڑھتا رہتا ہے۔ جیسے سات سروں پر انگلیاں پھرتی ہیں۔ جب مختلف

طریقوں سے کئی بار یہ پھرت ہو چکتی ہے تو ایک انسان کا گیت مکمل ہوتا ہے۔ اسی لیے زندگی کے لیے محبت بھی ضروری ہے اور نفرت بھی ..... جب نفرت پاتال میں لے اترتی ہے۔ تو پھر کہیں سے محبت اوپر اٹھاتی ہے اتنا اٹھائے لیے جاتی ہے کہ آدمی غبارہ بن کر آسمانوں کو چھونے لگتا ہے جب یہ غبارہ اور اوپر نہیں جا سکتا لیکن اس کی آرزو کم نہیں ہوتی تو کہیں سے حقارت ..... نفرت کی سوئی گیس کم کرنے کو نکلتی ہے یہ عمل مسلسل ہے ..... زندگی کے ساتھ ساتھ ہے ..... خدا سے لے کر عبد تک عمل فرشتے سے لے کر شیطان تک کی منزل۔

ان مٹ سے لے کر ناپائیدار تک

''تم کیا سوچتے ہو۔۔۔ کہاں چلے جاتے ہو تم قیوم ۔۔۔۔ تم کو اپنی پڑھائی کا اس قدر فکر کیوں ہے؟''

میں چپ رہا۔

''مجھے بتاؤ۔۔۔۔ سمجھاؤ مجھے خدا کے لیے۔۔۔۔ جس طرح تم مجھے ڈرفائم کی تھوری سمجھایا کرتے تھے خودکشی کی ۔۔۔۔ بتاؤ قیوم محبت کہاں ملتی ہے؟ ۔۔۔۔ کن کو ملتی ہے

؟ ۔۔۔۔''

میں اسے کیا بتاتا۔

میں تو خود بچپن سے محبت کی تلاش میں سرگرداں رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ محبت کہاں ملتی ہے کن کو ملتی ہے اور کن وجوہات کی بنا پر ملتی ہے لیکن جب کبھی وہ مجھ سے بات کرنے کی توقع رکھتی میں بولتا جاتا۔

''محبت کا تحفہ یہی عموماً دو قسم کے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔۔۔۔ ایک وہ فرعون صفت لوگ جو اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتے جو چلتے نہیں اچھلتے ہیں ان کو انا کو پرقینچ کرنے کے لیے ان کی زندگی میں کوئی شخص محبت کا گلدستہ لے کر داخل ہوتا ہے

گلدستہ وصول کرتے وقت فرعون شکل لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کانٹے بھی ہیں اور چیونٹیاں بھی۔۔۔۔عموماً ان ہی چیونٹیوں کے ہاتھوں بڑے بڑے ہاتھی جاں بحق ہو جاتے ہیں۔"

"میں تمہاری بات سمجھی نہیں قیوم۔۔۔۔یا شاید آج میرا دماغ درست نہیں"

"ایک وہ لوگ جو خدا سے بھی نہیں ڈرتے ان کو انسان بنانے کے لیے۔۔۔۔ عہد بنانے کے لیے محبت عطا ہوتی ہے ان کی حیثیت سمجھانے کے لیے۔ان کا قد عام انسانوں جتنا کرنے کے لیے۔۔۔۔یا پھر محبت ان لوگوں کو ملتی ہے جو ہرنے کی آرزو میں جیتے ہیں جان بلب ہوتے ہیں ان کے لیے محبت کا تریاق آتا ہے غیب سے۔ یکدم ان مردہ لاشوں میں زندگی کے آثار اجاگر ہوتے ہیں وہ درختوں کو پرندوں کو چاند ستاروں کو از سر نو دیکھنا شروع کرتے ہیں بچے کی حیرت کے ساتھ موسم ان پر اثر انداز ہوتے ہیں ایک بار پھر۔۔۔۔"

"کیا کیا کیا؟۔"

"سنو سیمی سنو۔۔۔۔محبت مارتی بھی ہے اور زندہ بھی کرتی ہے۔۔۔۔پھنکارتی انا کو مارنے کے لیے بھی محبت کا ذہر ہے اور قریب المرگ زندگی کو زندہ کرنے کے لیے بھی محبت

ہی کا تریاق ہے۔"

اب وہ پھر گئی

"تم سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔۔۔۔تم بھی ایویں ہی ہو۔۔۔۔واہیات۔۔۔۔ صرف کچے کچے فلاسفروں بالکل ڈاکٹر سہیل کی کاربن کاپی۔"

"تمہیں تسلی کیسے ہوگی۔"

"محبت سے صرف محبت سے"

میں ہنس دیا۔

''اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔''

میں نے دکھی سے کہا۔۔۔۔تمہیں محبت نہیں چاہیئے سیمی۔۔۔۔تمہیں صرف آفتاب درکار ہے۔۔۔۔سب کا یہی حال ہے۔۔۔۔۔سب کا سب کو محبت چاہیئے لیکن صرف اس شخص کی جسے اس کا اپنا دل شدت سے چاہتا ہے۔۔۔۔باقی سب محبتیں کیلے کا چھلکا ہیں وافر واہیات۔۔۔۔غیر ضروری۔۔۔۔۔ایویں۔

''تم نے کبھی محبت کی ہو۔۔۔۔تو تمہیں پتہ ہو آدمی کس کرب سے نکلتا ہے تم کو تو ہر وقت پڑھائی کی پڑی رہتی ہے۔۔۔۔اپنی تھیوریاں بنانے میں لگے رہتے ہو پروفیسر سہیل کے ساتھ سوشلزم کی بحث کرنے میں وقت گزرتا ہے تمہارا۔۔۔۔جاؤ جا کر مارکس پڑھو۔۔۔۔اینگلز پر سر کھپاؤ۔۔۔۔تم کو کیا پتہ کہ ایک ایسا وقت انسان پر آتا ہے جب وہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے باوجود خودکشی کر لیتا ہے۔۔۔۔تم کو کیا پتہ۔۔۔۔سب کچھ معاشرہ نہیں ہوتا۔معاشیات سے انسان کی فلاح مکمل طور پر بندھی ہوئی نہیں ہے۔۔۔۔تمہیں کیا پتہ۔''

''مجھے پتہ ہے۔۔۔۔پتہ ہے۔''میں چلایا

اس نے اپنا پرس اٹھایا لکڑی کی ہیل والے جوتے تلاش کیے اور اٹھ گئی

''تمہیں میری باتیں سننا ہوگی۔۔۔۔میں نے بھی محبت کی ہے کسی سے۔۔۔۔شدت کے ساتھ۔۔۔۔آج تمہیں میری طرف کی کہانی بھی سننا پڑے گی سیمی۔''

''سنوں گی قیوم۔۔۔۔غور سنوں گی لیکن آج نہیں۔۔۔۔دیکھو ناں آج میرا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجا کی۔۔۔۔''صرف ایک جملہ۔''

''آج نہیں قیوم پتہ ہے آج ہی تو اس کی شادی ہوئی ہے۔۔۔۔۔آج ہی تو لینڈ سلائیڈ ہوا ہے زبردست قسم کا۔''

وہ چپ چاپ باہر نکل گئی۔صرف اس کا چھوٹا سا پھولدار رومال الانی چارپائی پر

پڑا رہا۔

اسے میرے اظہار محبت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔۔۔میں اسے کیسے بتاتا؟ کہ میرے سارے فلسفے میرے تمام تجزیے پروفیسر سہیل کے ساتھ ہونے والے مباحثے اس ایک نا آسودہ جذبے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔

کیا میں جنسی محرومی کا شکار تھا۔کیا میں صرف Frustrated تھا؟

کیا میری ذہانت ان محرومیوں کی وجہ سے سان پر چڑھی تھی۔؟

سیمی کے جانے کے بعد فوراً کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا۔لیکن اس کے کٹے بال پھولدار رومال۔۔۔کئی چیزیں! جیسے شہد کی مکھیاں میرے تعاقب میں تھیں اور میں ان سے بھاگ کر کہیں جا نہ سکتا تھا کئی بار باتیں کرتے کرتے وہ اپنی بائیں گال کے تل کو جڑ سے اکھاڑنے کی ایسی کوشش کرتی کہ مجھے اس کی کیوٹکس لگے ناخنوں سے نفرت ہو جاتی۔۔۔سیمی جا چکی تھی صرف اس کی خوشبو باقی تھی۔۔۔تار پر سوکھنے والے کپڑوں کی طرح چارپائی پر رومال پڑا تھا اور اس کے جانے والی کی ذات کا کمپیوٹر چل رہا تھا۔

میں نے پہلے تو اس رومال اُکے باوجود پڑھنے کی کوشش کی پھر مجھے خیال آیا کہ جب تک وہ ایک لاوارث بچے کی طرح چارپائی پر بلکتا رہے گا میں توجہ سے نہ پڑھ سکوں گا۔میں نے رومال اٹھایا سونگھا اس کی تہیں بالکل ویسے جمائیں جیسے پہلے تھیں پھر اسے پاس رکھ کر پڑھنے لگا لیکن اب رومال بلی کے بچے کی طرح بڑا جاندار ہو گیا تھا۔وہ پنکھے کی ہوا میں پھول رہا تھا۔شکلیں بدل رہا تھا فضا میں اپنی خوشبو کو آنسو گیس کی طرح پھیلائے جاتا تھا۔اس کی وجہ سے بار بار میری آنکھیں نمناک ہو جاتی تھیں اور جب میں آنکھیں پونچ کر دوبارہ اسے میز پر رکھتا تو وہ پہلے سے زیادہ نڈر اور کھلنڈرا ہو جاتا۔

اس رومال کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں کواڈرینگل سے نکل کر انارکلی کی طرف

چلا گیا۔ دن کے وقت انارکلی کا کچھ اور رنگ ہوتا ہے۔

گاہکوں کی سرگرمیاں، دوکانداروں کی گرم جوشیاں اور بکاؤ مال کی وافر نمائش کچھ دیکھنے نہیں دیتی کچھ کاروالے سائیکل والے، پیدل، سکوٹر سوار، بازار میں خرید و فروخت کے لیے نہیں آتے فقط اضافی آمد و رفت بن کر اتے ہیں انہیں اس راستے کہیں اور مثلاً رنگ محل یا شاہ عالمی جانا ہوتا ہے اس مجمع سے بھیڑ بھاڑ میں اور اضافہ ہوتا ہے کچھ ان لونڈوں کا ٹریفک ہوتا ہے جن کا خرید و فروخت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ محض دوکانوں پر چائے یا بوتلیں لے جانے یا واپس کرنے میں مصروف ہوتے ہیں ان کے کندھوں پر مکسڈ چائے کی پیالیاں، نان چھولے، کباب یا بوتلیں ہوتی ہیں۔۔۔۔طرارے بھرتے لوگوں میں راستہ بناتے وہ بھونرے سے نکل جاتے ہیں لیکن چونکہ وہ ٹریفک کے بہاؤ کے ساتھ نہیں ہوتے اس لیے ان سے بھی آمد و رفت کا تار ٹوٹتا ہے پھر کالج کے طالب علموں کی وہ ٹولیاں بھی ہوتی ہیں جو لڑکیاں تاڑنے دوکانوں کے تھڑوں کے پاس کھڑے ہوتے ہیں ان کا بھی براہ راست بازار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ بڑے پتھروں کی طرح نظروں سے بازار کے بہاؤ کو روک لیتے ہیں اس کے علاوہ دوکانداروں کے بچے رشتہ دار اور بوڑھے بازار میں ملنے کی غرض سے آتے ہیں ان کا بھی خریداری سے تو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی وجہ سے انارکلی کا راستہ تنگ پڑ جاتا ہے ٹریفک رک رک جاتا ہے اور انارکلی کی شکل داتا دربار کے عرس جیسی ہو جاتی ہے۔

میں رومال کو انارکلی کے اس سرے سے لے کر شاہ عالمی تک بہلانے لے گیا۔ لیکن پتہ نہیں وہ کیوں آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا؟ رات کے پچھلے پہر امتحانوں سے قریب سونی انارکلی میں بلا تکلف روتے جانے میں کوئی قباحت نہ تھی دوکانوں پر جستی پھاٹک چڑھے تھے اور ان کے دونوں طرف دوہرے دوہرے تالے تھے۔۔۔لوگ تھڑوں پر سوئے ہوئے تھے۔۔۔۔ٹریفک اب بھی تھا۔۔۔۔لیکن اتنی

رات گئے اکا دوکا آنے والوں کو پروانہ تھی کہ کوئی لیڈیز رومال سے آنکھیں پونچھتا کہا جارہا ہے۔

آج رات سیمی نے میرے دل کے بازار سے کچ خریدے بغیر اس میں ساری ٹریفک بند کر دیا تھا۔۔۔۔۔جیسے اس نے اپنا تری ٹنز گلی کے ناکے پر لا کھڑا کیا۔ اب پچھلی گاڑیاں ہارن بجا رہی تھیں۔ پی پی پاں پاں کر رہی تھیں کچھ بے چین کاروں سے اتر اتر کر اس کھڑے ملٹری کے تھری ٹنز کو دیکھ رہے تھے۔لیکن وہ گلی کے دہانے پر جما کھڑا تھا۔۔۔اس کی بریکیں فیل ہوگئی تھیں سلف جواب دے گیا تھا۔

سیمی اس رومال کی صورت میں میرے اندر ایک تھری ٹنز کھڑا کر گئی تھی میں اس رومال کے ہوتے ہوئے نارمل آمدورفت کا حامل نہ ہوسکتا تھا۔ہوسٹل پہنچ کر میں نے پہلے سے تکیے تلے رکھا پھر میز کی دراز میں ابن خلدون کی کتاب کے بائیسویں صفحے کے اندر چھپایا ابھی میں تین صفحے بھی پڑھنے نہ پایا تھا کہ میں نے اسے وہاں سے نکال کر اپنی جیب تننے لگی تو میں نے اسے سوٹ کیس میں بند کر دیا۔

پہلا بوسہ، پہلا تحفہ۔۔۔۔پہلی مرتبہ اقرار محبت میں گرمیوں کی اولین بارش جیسی کیفیت ہوتی ہے سارے میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیل جاتی ہے۔

حالانکہ یہ رومال نہ تحفہ تھا نہ بوسہ نہ اقرار محبت۔۔۔۔۔پھر بھی سیمی سے وابستہ پہلی چیز جو میرے ہاتھ آئی تھی کچھ دیر بعد میں نے رومال کو سٹ کیس سے بھی نکال لیا۔۔۔اچانک وہ بہت غیر محفوظ ہوگیا تھا۔اس کے بعد پڑھائی، رومال اور میں آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔۔۔۔میں ہر پانچ منٹ کے بعد اس کی جگہ تبدیل کرنے لگا۔ ۔۔۔کبھی اس کی باری مفلر تلے آتی۔۔۔۔کبھی میں اسے بش سرٹوں کے اوپر رکھتا۔ ۔۔۔یہاں سے نکال کر پتلون کی اندرونی تہہ اس کا پڑاؤ بنتی۔۔۔۔آخر میں بہت سوچنے کے بعد میں نے اسے سوٹ کیس کے نیچے بچھے ہوئے اخبار تلے بچھا کر سوٹ کیس کو تالا لگا دیا۔

بچپن میں ہمارے گاؤں میں اسی طرح میرے چچا ایک نیا سائیکل لے کر آئے تھے۔۔۔۔ابھی اس کے ڈنڈوں پر خاکی کاغذ چڑھا تھا اور مچھلے مڈگاڈ پر لگا ہوا تالا بڑی مشکل سے کھلتا تھا۔۔۔۔چچا کی سائیکل نے میری راتوں کی نیند حرام کر دی تھی سائیکل پر چڑھنا میرے مقدر میں نہ تھا میں صرف اسے صاف کر کے باہر والی حویلی میں کھڑا کر دیتا تھا چچا کے اٹھنے سے بہت پہلے میں اسے ہتی والے نلکے کے پاس لے جاتا سائیکل صاف کرنے کا سارا سامان میرے پاس ہوتا پرانے ٹوتھ برش، گریس کا ڈبہ صاف اور گندے چیتھڑے، ڈھبریاں کسنے کے پیچ کس، ہتھوڑی، موم۔۔۔۔میں نے سائیکل صاف کرنے کے لیے جو سامان اکٹھا کر رکھا تھا وہ کار کی سروس کے لیے کافی ہوتا۔ایک بار سائیکل صاف ہو جاتی تو پھر کبھی آنگن میں کبھی گھڑونچی کے پاس کبھی برآمدے میں اس کے پارک کرنے کی مشکل پیش آتی جس طرح ماڈرن لڑکیاں دھوپ سے بچتی ہیں اور اپنی جلد کا خیال رکھتی ہیں۔۔۔۔میں سائیکل کے پینٹ کے لیے فکرا کرتا رہتا۔

پھر چچا اٹھتے باہر کی حویلی سے سائیکل اٹھاتے۔کچی مٹی سے بھری سڑکوں پر اونچی نیچی منڈیوروں پر کھلیانوں میں بنجر گزرگاہوں پر ہول کے کانٹوں سے بھری پٹڑیوں میں نہر کنارے کنارے والی سڑک پر یہاں وہاں جانے کہاں کہاں سائیکل لیے پھرتے۔واپسی پر جب وہ گھر لوٹتے تو سائیکل گرد کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی۔

بازار سے واپسی پر میں کافی دیر اپنے نئے ٹائم ٹیبل کے مطابق خالص انداز میں بظاہر پڑھتا رہا لیکن سندر ہی سندر کہیں سوچ کی ٹکٹکی اور لگی ہوئی تھی۔جیسے گھڑی کی بیرونی سوئیاں منٹ گھنٹے دکھاتی ہیں لیکن اندر کی گراریوں کی رفتا سے یہ اندازہ نہیں ہوسکتا گو میں بظاہر بیڈ لیمپ جل کر اس روشنی میں رات کے تین بجے تک سوشیالوجی پڑھتا رہا لیکن میرے اندر بار بار آفتاب کی شادی ہوتی رہی کبھی کاروں سے بڑے

تکلف کے ساتھ اترتی عورتیں نظر آنے لگتیں۔ کبھی بیرے چائے کے ٹرے اٹھائے نظروں میں گھوم جاتے کبھی آفتاب صاف دکھائی دیتا۔ اس کی اچکن شلوار سر سے بندھا ہوا سنہری تاروں والا سہرا اور گلے میں پڑے ہوئے بڑے بڑے نوٹوں کے ہار۔۔۔۔ کس طرح وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تھا اور کس طرح اس نے اپنی اچکن اور ہار بیٹھنے کے بعد درست کیے تھے۔

''لڑکی کوئی نہیں آئی۔۔۔۔'' اس نے بہت آہستہ سے مجھ سے پوچھا تھا۔

پتہ نہیں وہ کس لڑکی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔

آفتاب کی شادی کے پلے بیک پر سیمی کی آہوں کا مسلسل میوزک سوپر امپوز ہو چکا تھا کوئی بینڈ کوئی ڈھولکی کوئی گیت میرے ذہن میں نہیں ابھر رہا تھا۔ بلکہ مسلسل سیمی کا رونا آہستہ آہستہ بیک گراؤنڈ میوزک کی طرح ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔۔۔۔

سوشیالوجی کی کتاب میرے سامنے کھلی تھی رات کا پچھلا پہر تھا اور م، یں ماسٹر غلام رسول کی طرح اڑا ہوا تھا کہ پڑھ کر دم لوں گا۔

سونے پڑھنے پریشان خواب دیکھنے کا یہ تیسرا Phase تھا جب دروازے پر دستک ہوئی اور جمال داخل ہوا۔

''کون ہے؟۔۔۔۔'' میں کئی خوابوں کو توڑ کر جواب دیا۔

''جمال۔۔۔۔ جمال رشید۔۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔۔''

جب میں نے دروزہ کھولا تو تھوڑی دیر کے لیے وہ بھی مجھے اپنی سوچ کا ہی ایک حصہ نظر آیا۔

''کیا ہے۔۔۔۔ کیا چاہیئے۔۔۔۔''

جمال نے اپنے ہونٹ کاٹے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور بولا

''یار امجد کا Accident ہو گیا۔۔۔۔ مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔''

''کس کا۔۔۔۔۔کس کا۔۔۔۔۔''

''امجد کا۔''

''وہ آفتاب کی شادی سے میرے ساتھ واپس آیا۔بیوقوف کی عقل ملاحظہ ہو، موٹر سائیکل پر پنڈی گیا راستے میں اینٹوں سے لدے ہوئے ٹرک سے اس کا موٹر سائیکل ٹکرا گیا۔۔۔۔وہیں Finished پھڑک گیا۔۔۔۔۔یار ہم سب اس کی ذہانت سے کتنا کھجتے تھے؟۔۔۔۔ہم سب اس کو Beat کرنے کی کتنی کوشش کرتے تھے۔۔۔۔کیا شہزادگی سے منہ کی مار گیا۔۔۔خدا قسم مجھے اس وقت بڑی Guilt ہو رہی ہے۔''

''یار ابھی تو وہ ہمارے ساتھ تھا۔۔۔۔آفتاب کی شادی پر۔۔۔۔کیسے۔۔۔۔کیوں؟''

''کئی بار میں نے آرزو کی تھی کہ۔۔۔۔کہ اگر وہ امتحان نہ دے تو میں فسٹ آ سکتا ہوں۔۔۔۔یار میری آرزو نے اس کی جان لے لی۔''

''احمق نہ بنو۔۔۔۔ایسی آرزو کبھی پوری تھوڑی ہوتی ہے۔۔۔۔لیکن اسے مصیبت کیا تھی کہ آدھی رات کو موٹر سائیکل پر۔۔۔۔''

''وہ فسٹ انا چاہتا تھا۔۔۔۔کہنے لگا ہوسٹل میں میرا ٹائم ویسٹ ہوتا ہے راتوں رات پہنچ جاؤں گا۔۔۔۔۔صبح سے تیاری کروں گا سنجیدگی کے ساتھ۔''

وہ یہ کہتا ہی پھرکی کی جیسا گھوم کر واپس چلا گیا۔

میں واپس آ کر سوشیالوجی کی کھلی کتاب کو پڑھے بغیر دیکھنے لگا۔

ہر منزل پر پہنچنے سے پہلے عموماً راہ گیروں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔

کرسمس کی چھٹیوں سے بعد اور امتحانوں سے کچھ پہلے عموماً عجیب عجیب واقعات ہونے لگتے ہیں کرسمس کی چھٹیوں کے بعد سیمی کالج میں نہیں لوٹی فائنل کے امتحانوں سے اس قدر قریب آفتاب کی شادی کا ہو جانا حادثہ تھا پھر اب سپورٹس مین امجد کی

موت!

کیا ہر امتحان سے پہلے نیچرل سلیکشن بھی ہوتی ہے؟

کیا فطرت کچھ افراد کے فیل ہو جانے سے خود ڈرتی ہے۔

کیا پاس ہو جانے کی خوشی کچھ پر پیش از وقت اثر انداز ہوتی ہے۔

ہر منزل پر پہنچنے سے پہلے امتحان گاہ میں جانے سے پہلے نفری کم ہو جانے کی آخری وجہ کیا ہے؟

آفتاب کی شادی سے بہت پہلے سیمی لاہور چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھی؟

ایم اے سوشیالوجی کا امتحان دینے کے بعد میں اپنے بڑے بھائی کے پاس ساندہ چلا گیا۔ میرے پاس جانے کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی۔ میرے بڑے بھائی مختار سیکٹریٹ میں ملازم تھے اور ان کے لیے یہ رہائش گاہ دفتر سے قریب تھی۔ کرشن نگر کے آخری بس سٹاپ تک ہم بسوں میں آتے اور وہاں سے چل کر ساندہ پہنچتے۔ راستے میں بوچڑ خانہ گندے نالے سے سیراب کھیت، گدھے اور تعفن ہر روز ملتا۔

ساندہ کلاں کا یہ گھر دو منزلوں پر مشتمل تھا۔ نچلی منزل میں بھائی مختار ان کی الیف اے پاوی صولٹ اور دو بیٹے رہتے تھے۔۔۔۔ اوپر والی منزل کے اکلوتے کمرے میں کاسنی رضائی، سیکنڈ ہینڈ کتابیں تیل سے جلنے والے سٹور لیمپ اور میں رہتے تھے۔۔۔۔۔ باقی ضروریات کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی تھیں لیکن کاسنی رضائی کتابیں اور سٹور لمپ میری طرح جاندار تھے ان میں حدت تھی اور وہ اپنی گم سم زندگی بالکل میری طرح چپ چاپ بسر کرتے تھے۔

بھابھی کم گو کم آمیز اور تیوری دار عورت تھی۔ اسے خوش گپی خوش گفتاری اور ہنسوڑ بازی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چھوٹی سی عمر میں اس کے چہرے پر مردنی کا ایک غلاف چڑھ گیا تھا۔ پھلبہری جیسے سفید چہرے پر براؤن تتلیوں جیسی چھائیاں پڑی ہوئی تھیں صولت بھابھی کے چہرے کے بجائے ان کے بازو اور پاؤں زیادہ جاذب نظر

تھے۔ان کے ساتھ رہنے میں سب سے بڑی سہولت یہ تھی کہ وہ کام کی بات کرنے کے بعد جھٹ روپوش ہو جاتی تھیں۔

''تمہارے کپڑے دھوبی کو دے دیے تھے۔''

''اچھا جی۔''

''کھانا نعمت خانے میں دھرا ہے۔''

''اچھا جی۔''

''رات کو دیر سے آؤ گے''

''اچھا جی۔''

ہم دونوں کی گفتگو میں ہر دس قدم کے فاصلے پر خود بخود بریک لگ جاتی اس لیے رفتہ رفتہ ہم نے ایک دوسرے سے ضروری باتیں کرنا بھی چھوڑ دیں بھابھی کے دو لڑکے کرشن نگر کے کسی سکول میں پڑھنے جاتے تھے، ان کی نیکریں ڈھیلی کف گندے اور بستے ہمیشہ پھٹے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی وہ مجھے گھر سے باہر ایک پیڈل پر سائیکل چلاتے نظر آجاتے تھے پتہ نہیں وہ واقعی بھابھی صولت کی طرح کم گو تھے کہ ان کے دل میں اپنے چچا کا تہور بیٹھ گیا تھا۔گھر پر وہ اول تو محسوس نہ ہوتے اور اگر کبھی پڑھائیوں سے فارغ ہو بھی جاتے تو انہیں ایک ہی کھیل آتی تھی برآمدے میں رکھے ہوئے ایک تخت پوش پر چڑھ کر وہ گھنٹوں ڈیڈھ فٹ نیچے فرش پر چھلانگیں لگاتے رہتے اور ہر چھلانگ کے بعد ان کو پہلے سے زیادی خط حاصل ہوتا۔

بھائی مختار درمیانے درجے کے ایسے افسر تھے کن کی ذہنیت کلرک کی ہوتی ہے آفس ڈاک، پالیسی، فائیل، کیس ڈی او وغیرہ ان کا روزمرہ تھا۔وہ ایم اے پاس تھے اپنے وقت کے ذہین آدمی تھے لیکن اب نوکری ان پر مسلط ہوگئی تھی وہ نوکری کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق جانداری کے ساتھ سوچنے کے اہل نہ رہے تھے۔

اوپر والی منزل میں رزلٹ آنے تک میں اور میرے خیالات دست پنجہ ملا کر

رہے۔کالج کے تمام ساتھی آخری پرچے کے بعد غائب ہوگئے۔کبھی کبھی اچانک کسی دوکان پر کسی بس میں کوئی آشنا چہرہ مل جاتا رسمی سی گفتگو ہوتی اور پھر راہیں علیحدہ ہو جاتیں میرا معمول تھا کہ ہر روز صبح کے اخبار میں نوکریوں کی تلاش کرتا سینما پیج اور Wanted دیکھنے کے بعد میں تھک کر پلنگ پر جا لیٹتا۔

یہ برساتوں کا موسم تھا۔

بارش نہ ہوتی تو حبس ہوتا۔۔۔بارش ہوتی تو سلاخوں والی کھڑکی سے ہوا اور بارش اچانک آکر پرانی کتابوں سے لدی ہوئی میز پر حملہ کر دیتی۔امتحانوں کے بعد ہر موسم چاہے کوئی بھی ہو لیکن برساتوں کا موسم خاص کر فریب خیال کا موسم ہوتا ہے۔۔۔۔سیمی کرسمس کی چھٹیوں کے بعد کالج نہیں آئی تھی۔لیکن اب خدا جانے کیوں اور کیسے ہر بارش کے ساتھ وہ اندر آجاتی اس نے تو موں سون کے ساتھ ٹھیکہ کرلیا تھا خوش آمدخوابوں سے لے کر نسیاں تک اور سیمی کے پوتے نواسے پرورش کے سے لے کر جنگل تھل بیلے میں الف پھرنے تک ہر دہشت میں پھر چکا تھا۔کبھی کبھی اپنی جنون آمیز سوچوں کی وجہ سے میں پہروں بغیر پنکھے کے لیٹا رہتا۔میرا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو جاتا گردن کے نیچے نمکین سوئیاں چبھنے لگتیں پھر اسلاخوں والی کھڑکی کی خود بخود کھل جاتی اور برسات کی پھوار کے ساتھ سیمی کمرے داخل ہو کر سب کچھ بھگو دیتی

اس روز اخبار میں ایک نوکری کا اشتہار دیکھ کر میں نے درخواست لکھی گو مجھے یقین تھا کہ میں مر رہا ہوں اور مجھے نوکری کی حاجت نہیں ہوگی، پھر بھی میں نے بھائی مختار کو خوش کرنے کے لیے ایک عرضی لکھی اور اسے رجسٹرڈ کرانے کے لیے جی پی او چلا گیا۔

یہاں ہی اچانک سیڑھیوں پر میری ملاقات آفتاب سے ہوئی۔وہ کچھ خط لفافے اٹھائے برامدے میں آرہا تھا۔گو وہ کافی دیر میرا روم میٹ رہا لیکن ہم دونوں میں

دوستی تو ایک طرف بے تکلفی بھی نہ تھی یکدم وہ مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور بیرونی ممالک سے آئی ہوئی ڈاک کے نیلے لفافے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔

''واہ قیوم کیا خوش نصیبی ہے میری۔میری بروقت ملاقات ہوئی''

''کیا کر رہے ہو۔۔۔۔۔آجکل۔۔۔۔۔؟''میں نے پوچھا۔

''یہاں پوسٹ بکس ہے میرا۔۔۔۔ڈاک لینے آیا تھا۔۔۔۔'' آفتاب نے فرش سے لفافے چنتے ہوئے کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں۔۔۔۔کیا کر رہے ہو آج کل؟نوکری،بزنس،یا عیش۔''

''تاجر کا بیٹا کیا کرے گا تاجری۔۔۔۔ابے کا کاروبار ہے۔۔۔۔۔ہم بھی دھنس گئے ہیں قالینوں میں۔''

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دیر تک باتیں کرتا رہا۔۔۔۔۔میں اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتا تھا لیکن آفتاب کی مسکراہٹ ہمیشہ سے ایسی رہی کہ اس کی ہر بات مان لینے کو جی چاہتا، ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے کے بعد جب میں بائیں برآمدے کی جانب بڑھا تو پھر آواز آئی۔

''قیوم۔۔۔۔۔''میں رک گیا۔

آفتاب میرے پاس آیا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔۔۔۔''یار میں لندن جا رہا ہوں۔''

''بزنس مین ہو تمہارے لیے یہ عام بات ہے۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔۔۔۔میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں میری Immigration کے تمام کاغذات پورے ہو چکے ہیں بس اب سٹیٹ بنک کا تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔''

''کب؟''

''ہفتے کو شام چار بجے کی فلائیٹ سے۔۔۔۔پہنچ جانا ائیر پورٹ پر میں تمہارا

انتظار کروں گا۔۔۔۔۔خدا حافظ۔"

میں آفتاب کا دوست نہیں تھا

میں ائیر پورٹ جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس کے باوجود میں وہاں گیا کیونکہ آفتاب کا سیمی سے گہرا تعلق رہا تھا۔آفتاب کو دیکھ کر کئی قسم کے جذبات سے دوچار ہونے کی مجھے عادت تھی۔ یہ تمام جذبات تکلیف دہ تھے مجھے نچوڑتے تھے، میرا سانس بند کرتے تھے پھر بھی میں ائیر پورٹ جانے سے آپنے آپ کو بچا نہ سکا۔

بڑے ہال میں داخل ہوا تو دور دور تک آفتاب کہیں موجود نہ تھا۔۔۔۔مسافر یوں کھچا کھچ بھرے تھے جیسے یہ ریل کا پلیٹ فارم ہو۔سیلنگ فین بکثرت چل رہے تھے۔لیکن اتنے جسموں کی گرمی کے باعث ہوا کہیں نہیں لگ رہی تھی۔ایک گرم گرم تر کی حمام تھا۔جس میں لوگ Baggage ٹکٹ اور سیٹ نمبر لیے آجا رہے تھے۔ لوگوں کے ٹخنوں سے لوہے کی ریڑھیاں بچا بچا کر خاکی وردی والے پورٹر آڑے ترچھے راستہ تلاش کر رہے تھے۔۔۔۔سیاہ لیدر کے صوفوں کے اردگرد سوٹ کیس ٹوکریاں وینٹی بکس اپنی اہمیت کی وجہ سے کچھ پھولے پھولے سے تھے۔اندر جنگلے کی جانب قطاروں میں کھڑے ایسے مسافر جو اکانومی میں سفر کرنیوالے تھے۔اس کوشش میں مصروف تھے کہ انہیں ہوئی جہاز میں وہاں جگہ ملے جہاں سے فسٹ کلاس شروع ہوتا ہے اور ٹانگوں کی لگی خوب کھلی ہوتی ہے۔ غالباً کراچی جانے والے کی ایک انسا ؤنسمنٹ میرے آنے سے پہلے ہو چکی تھی کیوں کہ کچھ مسافر جنگلے کے پاس کھڑے الوداعی بغل گیریوں میں مشغول تھے۔پھر ان کے ملنے والے چھوڑنے کے فرائض سے سبکدوش ہو کر بغلی رستے سے باہر اس طرف جانے لگے جہاں جنگلے کے ساتھ کھڑے ہو کر کھلا ائیر پورٹ نظر آتا ہے۔ میں نے سب طرف نظر دوڑائی لیکن آفتاب کا کہیں پتہ نہ تھا کہ اس کے ملنے والے بہت امیر ہیں۔لڑکیاں

کٹے بالوں سے ہوں گی چہروں پر سکوئیر سز پیروں میں لکڑیوں کی پیل والی بدھیت جوتیاں اور ان پر آہستہ آہستہ ہاتھی کے کان ہلاتے بل باٹم ۔۔۔۔یا نیلی جینز۔

دور پار آفتاب کا پتہ نہ تھا

میں ہر گروپ کو غور سے دیکھتا رہا۔لیکن کوئی چہرہ مجھے آفتاب کا مشابہہ نظر نہ آیا۔ ائیر ہوسٹس لڑکیوں کی رودیاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی بدل گئی تھیں وہ آتشی گلابی کرتے گہری سبز شلواریں اور پرنٹڈ دوپٹے پہنے آپ کو پاکستانی کم اور فرانسیسی زیادہ محسوس کر رہی تھیں۔ان کے آنے جانے میں خوش اعتمادی اور اپنا پن تھا جو بھی پائیلٹ مسافروں کی جانب آتا۔سفید وردی میں اصیل مغنے کی طرح ذرا ذرا سا ٹیڑھا چلتا دکھائی پڑتا۔پی آئی اے کا عملہ اس احاطے میں کتنا اہم محسوس کر رہا تھا اس کا اندازان جمعدارنیوں سے لگانا چاہیے جو بڑے بڑے ڈنڈوں کے ساتھ بندس ہوئی رسیوں کے ساتھ جگہ بناتی موروں کی طرح تھرکتی فرش صاف کرتی پھر رہی تھیں۔

میں سیون اپ پینے کے لیے کیور شاپ کے پاس چلا گیا۔

یہاں سے سارا ہال نظر آرہا تھا۔۔۔۔لیکن آفتاب کا کہیں پتہ نہ تھا اور اناؤنسمنٹ ہو چکی تھی۔بیرونی ممالک کو جانے والے مسافروں کی مائیں رو رہی تھیں بیویاں آنسو پونچھتی سوچ میں مبتلا تھیں کہ وہاں سویڈن میں تو آزادی بہت ہے۔جانے یہ خط بھی لکھیں گے کہ بھول جائیں،خرچہ بھی بھیجیں کہ نئی میم بیاہ لیں؟ باپ اپنے جھوٹے پڑتے ہوئے اعظاء کو گھسیٹ کو بہادر بننے کی کوشش میں آنسو روک رہے تھے۔ان کی آرزو تھی کہ جلدی سے الوداعی رسم ختم ہو اور وہ واپس جا کر چارپائی پر لیٹیں۔۔۔بھائیوں کے دلوں میں حسد تھا۔آرزو تھی تو اتنی کہ کب وہ وقت آئے جب ان کی جیب میں بھی پاسپورٹ ہو Vaccination کارڈ ہو اور وہ بھی بار بار اپنا ٹکٹ نکال کر دیکھیں اور واپس بریف کیس میں رکھیں۔چچا اپنے بھائی کی اولاد کے ساتھ اپنی اولاد کا موازنہ کر رہے تھے۔یکدم انہیں اپنی بیوی پر خدا جانے

کیوں غصہ آنے لگا تھا۔ جس نے بچوں کی اچھی پرورش نہ کی ورنہ آج وہ بھتیجے کو خدا حافظ کہنے نہ آتے بلکہ اپنے بیٹے کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔۔۔۔ ماموں برادری اداس تھی یکدم انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ ان کی بہن بوڑھی ہوگئی ہے اور بھانجے بھانجیاں جوان ہو گئے ہیں۔

ائیر پورٹ کا ہال بچھڑنے اور ملنے کی وجہ سے جذبات سے بوجھل ہو رہا تھا۔ میں شاید اور نہ ٹھہرتا اچانک دونوں کندھوں پر بیگ لٹکائے سیاہ چشمہ پہنے آفتاب جلدی جلدی چلتا ہوا داخل ہوا اس کے پیچھے زیبا تھی۔ تھوڑی تھوڑی صوفیہ لورین۔۔۔ زرا سی فردوس ایکٹرس اور کچھ کچھ سکول کی استانی۔

یکدم لیدر کے تین سیاہ صوفوں پر سے بھاری بھرکم سفید عورتیں اٹھیں یک چھاٹا سا دائرہ بن گیا اور آفتاب اور اس کی بیوی اس دائرے میں بوسی بازی اور بغل گیری کرنے لگے۔ وقت کم تھا ملاقاتی زیادہ تھے۔ رومال سے آنسو پونچھنے والی نوعمر لڑکیاں دوپٹوں کے کنارے بھگونے والی عورتیں، عینکوں کے پیچھے بھیگی آنکھوں والے مرد خوشی خوشی چھی ڈالے والے لڑکے اور دائرے کے باہر سے اندر والوں کا منظر دیکھنے والے لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔

میرا ارادہ اس وقت کھسک جانے کا تھا اور شاید میں چلا بھی جاتا اگر یکدم آفتاب کی نظر مجھ پر نہ پڑ جاتی۔ وہ دائرہ توڑ کر مجھ تک آیا۔ زور سے مجھے سینے سے لگا کر بولا۔۔۔۔ ''یار دیر ہوگئی وہاں جنگلے کے پاس پہنچو۔''

baggage کارڈ بنوا کر وہ جنگلے کی دوسری طرف آ گیا۔ اس وقت ہم دونوں کے درمیان پھر جنگلا حائل تھا اور اس کی بیوی وینٹی بکس اٹھائے آہستہ آہستہ لاؤنج کی طرف جا رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد سسرال والوں کو رومال ہلا کر الوداع کہتی اور پھر آفتاب کی طرف دیکھ لیتی۔

ہم چپ چاپ کھڑے تھے، پتہ نہیں وہ کیا کہنا چاہتا تھا

پتہ نہیں مجھے کیا کہنا چاہیے تھا

بالآخر میں نے کہا۔۔۔۔۔"یار تمہیں دیر ہوگئی ہے اب اندر چلے جاؤ۔"

"گھر پر ایک جم غفیر تھا۔۔۔۔دراصل ہم کشمیری لوگ کوے ہوتے ہیں۔۔۔ ذرا سی بات ہوتو اکھٹے ہوجاتے ہیں ان ہی کی وجہ سے دیر ہوگئی۔کبھی لندن آؤتو میرے پاس ٹھہرنا۔"

"ضرور۔۔۔"

"اچھا بھئی۔۔۔۔۔"اتنا کہہ کروہ چپ ہوگیا۔

"اچھا بھئی۔۔"

"ایسے ہی ہے۔"

"ہاں بس ایسے ہی ہے۔"

"وطن بھی چھوٹ جاتا ہے آخر۔"

میں چپ رہا۔۔۔۔مجھے وطن سے محبت کرنے کی عادت نہ تھی۔

اسی وقت اس کے ملنے والے گروپ میں سے ایک نوجوان ہمارے پاس ایا وہ جوانی کی اس سٹیج پر تھا جہاں آواز بدلتی ہے۔اور ایک جملے میں دو تین Tones بدلتیں ہیں۔

"چاچا جی۔۔۔۔بہت دیر ہوگئی ہے ابا جی کہتے ہیں اب آپ چلے جائیں۔"

"ہاں دیر ہوگئی ہے۔۔۔۔۔جارہا ہوں۔۔۔۔۔بس ابھی گیا۔"

آفتاب کھویا ہوا تھا جیسے ائیر پورٹ پر نہ ہو دھند میں راستہ تلاش کررہا ہو۔

فاصلے پر ایک ہاتھ میں وینٹی بکس اور سورے میں رومال پکڑے زیبا آفتاب کو دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ آفتاب دیر ہوگئی ہے۔"

"ہاں۔"